عرب عہدِ جاہلیت میں ''طلاق'' کا تصور۔۔۔ تحقیقی جائزہ

A scholarly review of the Arab Conception of Divorce in the Days of ignorance

اورنگزیب*

Abstract:
Conjugal life is an important aspect of human society, on which a prosperous life depends. Almost every Culture, civilization and religion Legislate for family life. There is a part of these laws to end the marital relationship which is denoted by "DIVORCE". Divorce is mentioned in detail in Islamic Sharia, in order to understand them truly one has to genuinely consider and understand the concept of divorce in Pre-Islamic period of ignorance.
There were several specific terms for divorce that were used in the Arab culture for example Talāq, Īela and Khula etc. but generally decent people use the word "طلاق"(Talāq) to end the marital relationship. There were some common causes and reasons for divorce in Arabs before Islam for example lack of mental harmony, infertility, bigotry, family feud and apostasy etc.
The divorced women become more and more vulnerable socially and economically in ancient Arab and consequently their children less attention, love and affection of their mothers turning them into rebellious, nonconformist and ruthless individuals crossing all limits of oppression and we often see examples of such incidents in Arabs before dawn of Islam. These cruel customs and practices were uprooted through teachings of Islam which is based on justice, equality and basic human rights.

ازدواجیت انسانی زندگی میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی تخلیق کی گئی تو وہ تنہائی کے سبب وحشت زدہ رہا کرتے تھے۔ ان کا کوئی ہمنشیں نہ

* ریسرچ اسکالر، پی، ایچ، ڈی، شعبہ: علوم اسلامیہ، کلیہ معارف اسلامیہ، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی۔

تھا، لیکن جب حضرت حواء علیہا السلام کی تخلیق کی گئی تو وہ خوش ہوئے۔ نیز مرد وزن کا ملاپ اگر جائز و قانونی طریقے پر ہو تو اسے نکاح سے موسوم کیا جاتا ہے اور نکاح کا سلسلہ تخلیقِ انسانی سے چلا آرہا ہے۔ تاریخ انسانی کے مطالعہ سے یہ امر مستفاد ہے کہ بنی نوعِ انسانی میں جب تمدنی ارتقاء فروغ پائی تو پہاڑوں، غاروں اور جنگلوں میں رہنے والے انسانوں نے یکجا ہو کر رہنے سہنے کا انتظام کیا اور یوں چند گھرانے مل کر قبیلے کی صورت اختیار کر گئے اور انسانی معاشرہ تشکیل پایا۔اب ضرورت اس امر کی تھی کہ ایک دوسرے کے مفادات کے تحفظ اور بقائے باہمی کی کیفیت کو یقینی بنانے کے لیے ایسے اصول مرتب کیئے جاتے کہ جن سے ان کے انفرادی اور اجتماعی حقوق کو تحفظ ملتا اور معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جاتا۔ اس مقصد کے لیے عائلی قوانین وضع کیئے گئے اور ان قوانین میں نکاح و طلاق کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ شادی کے بعد خوشگوار زندگی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ زوجین میں بہتر تعلقات، طبیعت میں ہم آہنگی نیز محبت والفت فروغ پائے۔ لیکن مذکورہ امور کبھی تو فطری طور پر موافق ہوتی ہیں تو کبھی مخالف۔ موافق ہونے کی صورت میں زندگی خوشیوں کا گہوارہ بن جاتی ہے۔ اور ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کی صورت میں زندگی اجیرن اور محض سمجھوتے کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔ کبھی کبھار تو بگاڑ اس حد تک نقصاندہ ہو جاتا ہے کہ دو خاندانوں کے درمیان کشیدگی اور تناؤ خاندانی دشمنی اور آنے والی نسلوں تک نفرتوں کے پروان چڑھنے کا سبب بنتی ہیں اور معاملہ باہم دست درازی اور جنگ وجدال کو پہنچ جاتا ہے۔مذکورہ تباہ کن نتائج تک پہنچنے سے پہلے ہی اگر کوئی راہ خوش اسلوبی سے زوجین کے نکاح کے رشتہ کو خیر باد کہنے کا موجود ہو اور قانونی طور پر اسے استعمال کرنے کا حق بھی ہو نیز معاشرتی اعتبار سے ان جیسی مخصوص صورتوں میں اس حق کے استعمال کو مذموم بھی نہ جانا جاتا ہو، تو متزوجین کو ازدواجی تعلق کے انقطاع کے بعد بہتر زندگی گزارنے کا اچھا موقع میسر ہو سکتا ہے۔ سلسلۂ ازدواجیت کے تسلسل کو قانونی، مذہبی یا معاشرتی طور پر منقطع کرنے کو طلاق کہتے ہیں۔

مختلف تہذیبوں میں طلاق سے متعلق مختلف قوانین رائج رہے اسی طرح عرب عہدِ جاہلیت میں بھی طلاق کے بارے میں مختلف طریقے رائج تھے اور ان میں سے بعض صورتیں دینِ اسلام میں بھی مشروع رکھیں گئیں۔ ضرورت اس امر سے آگہی کی ہے کہ جس معاشرے میں اسلام کی بنیاد پڑی وہاں قبل از اسلام طلاق کے بارے میں کیا نظریہ پایا جاتا تھا؟ کن اسباب و وجوہ پر طلاق دی جاتی تھیں؟ اسی طرح ان میں طلاق کے کون سے طریقے رائج تھے؟۔ چونکہ طلاق کا وقوع بعد از نکاح ہوتا ہے، لہٰذا پہلے عرب جاہلیت میں رائج نکاح کا تذکرہ کرتے ہیں۔

قبل از اسلام عربوں میں نکاح کا تصور:

عام طور پر تزویج سے مقصود جنسی جذبات کی تسکین اور بقائے نسل ہوتی ہیں لیکن مختلف تہذیبوں میں اپنے تقاضوں کے مطابق نکاح کے اغراض وابستہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح عرب قبائل باہمی روابط بڑھانے، نسل کو بڑھانے اور جنگ کے لیے افرادی قوت کے حصول کے لیے عام طور پر شادی کیا کرتے تھے۔ شرفاء عرب قبل از اسلام تقریباً دینِ ابراہیمیؑ کی تعلیمات کے مطابق نکاح کیا کرتے تھے جس کی رُو سے رشتہ مانگا جاتا، باقاعدہ مہر مقرر کی جاتی اور نکاح کا خطبہ پڑھا جاتا اور گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کے بعد ازدواجی زندگی کی ابتداء ہوتی۔ لیکن عرب عہدِ جاہلیت میں نکاح کے لیے ایسے متعدد طریقوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ جن سے معاشرے میں بے حیائی کو تقویت حاصل ہوئی۔ عرب عہدِ جاہلیت میں نکاح کے مروجہ صورتوں کو حضرت عائشہؓ یوں بیان فرماتی ہیں:

"إن النكاح فی الجاهلية كان على أربع أنحاء فنكاح منها نكاح الناس اليوم يخطب الرجل إلى الرجل وليته أو ابنته فيصدقها ثم ينكحها۔ ونكاح آخر كان الرجل يقول لإمرأته اذا طهرت من طمثها ارسلی الی فلان فاستبضعی منه و يعتزل لها زوجها ولا يمسها أبدا حتى يتبين حملها من ذلک الرجل الذی تستبضع منه فاذا تبين حملها أصابها زوجها اذا احب وانما يفعل ذلك رغبة فی نجابة الولد فكان هذا النكاح نكاح الاستبضاع۔ ونكاح آخر يجتمع الرهط ما دون العشرة فيدخلون على المراة كلهم يصيبها فاذا حملت ووضعت ومرّ عليها ليال بعد ان تضع حملها ارسلت اليهم فلم يستطع رجل ان يمتنع حتى يجتمعوا عندها تقول لهم قد عرفتهم الذی كان من أمركم و قد ولدت فهو ابنک يا فلان تسمى من احبت باسمه فيلحق به ولدها لا يستطيع ان يمتنع منه الرجل۔ ونكاح رابع يجتمع الناس كثيرا فيدخلون على المراة لا تمتنع ممن جاءها وهن البغايا كن ينصبن على أبوابهن رايات تكون علما فمن أراد دخل عليهن فاذا حملت احداهن ووضعت حملها جمعوا لها و دعوا القافة ثم الحقوا ولدها بالذی يرون فالتاط به و دعی ابنه لا يمتنع لک ذلک۔"(۱)

"زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح ہوتے تھے۔ ۱۔ ایک صورت تو یہی تھی جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں، ایک شخص دوسرے شخص کے پاس اس کی زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کرلیتا۔ ۲۔ دوسرا

نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی تو کہتا تو فلاں شخص کے پاس چلی جا اور اس سے صحبت کر لے، اس مدت میں شوہر اس سے جدا رہتا اور اسے چھوتا بھی نہیں۔ پھر جب اس غیر مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس سے وہ عرضی طور پر صحبت کرتی رہی، تو حمل کےظاہر ہونے کے بعد اس کا شوہر اگر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا۔ ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کا لڑکا شریف اور عمدہ پیدا ہو۔ یہ نکاح "استبضاع" کہلاتا تھا۔ ۳۔ تیسری قسم نکاح کی یہ تھی کہ چند آدمی جو تعداد میں دس سے کم ہوتے کسی ایک عورت کے پاس آنا جانا رکھتے اور اس سے صحبت کرتے ۔ پھر جب عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو وضع حمل پر چند دن گزرنے کے بعد وہ عورت اپنے ان تمام مردوں کو بلاتی۔ اس موقع پر ان میں سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ وہ سب اس عورت کے پاس جمع ہو جاتے اور وہ ان سے کہتی کہ جو تمہارا معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور اب میں نے یہ بچہ جنا ہے۔ پھر وہ کہتی کہ اے فلاں! یہ بچہ تمہارا ہے۔ وہ جس کا چاہتی نام لے دیتی اور وہ لڑکا اسی کا سمجھا جاتا، وہ شخص اس سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ ۴۔ چوتھا نکاح اس طور پر تھا کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ عورت اپنے پاس کسی بھی آنے والے کو روکتی نہیں تھی۔ یہ کسبیاں ہوتی تھیں۔ اس طرح کی عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈے لگائے رہتی تھیں جو نشانی سمجھے جاتے تھے۔ جو بھی چاہتا ان کے پاس جاتا۔ اس طرح کی عورت جب حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو اس کے پاس آنے جانے والے جمع ہوتے اور کسی قیافہ جاننے والے کو بلاتے اور بچہ کا ناک نقشہ جس سے ملتا جلتا ہوتا اس عورت کے اس لڑکے کو اسی کے ساتھ منسوب کر دیتے اور وہ بچہ اس کا بیٹا کہلاتا، اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔"

عہدِ جاہلیت میں بعض قبائل میں نکاح کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ کسی شخص کی ایسی زوجہ جس سے اس شخص کے لیے کوئی اولاد نہ ہو، تو اگر وہ شخص انتقال کر جائے اور اس متوفی شخص کی کسی دوسری بیوی سے اولاد ہوتے تو ان میں سے بڑا بیٹا اپنے والد کی زوجہ کا وارث بن جاتا اس طرح بطریقِ میراث متوفی والد کی زوجہ اس کے بڑے بیٹے کے ملکِ نکاح میں آ جاتی۔ اور اگر بڑے بیٹے کے علاوہ کوئی اور بھائی اس سے شادی کرنا چاہتا تو وہ مہرِ جدید کے ذریعہ نکاح کرتا۔ سوائے اس کے کہ وہ عورت اپنی جاں

خلاصی کے لیے ورثاء کو ان کے رضا کے موافق فدیہ دیتی۔اس قسم کے نکاح کو "زواج المقت یا زواج الضیزن" کہا جاتا تھا۔[۲]

قرآن کریم میں بھی عہدِ جاہلیت میں وراثت میں ملنے والی عورتوں کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُواْ النِّسَاء كَرْهًا"[۳]

ترجمہ: مؤمنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ۔"

امام طبریؒ اس آیت کے بارے میں ابن زیدؒ کا قول نقل فرماتے ہیں کہ "اہلِ یثرب (یعنی مدینہ) کے لوگوں میں اگر کسی شخص کا انتقال ہوتا تو بیٹا اس اپنے والد کی زوجہ کا وارث ہوتا۔" (۴) مذکورہ بالا آیت اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے ازدواجی تعلق کے حرمت کے بارے میں نازل فرمائی۔

اسی طرح عرب عہدِ جاہلیت میں نکاح متعہ کا رواج بھی تھا جو اسلامی دور میں بھی جاری رہا لیکن بعد میں حرام قرار دیا گیا۔نکاح متعہ میں زوجین خاص وقت کی تعیین پر نکاح کرتے اور تکمیلِ وقت پر نکاح ختم ہو جاتا۔اس کے علاوہ نکاح کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ ایک شخص کسی دوسرے آدمی سے کہتا کہ تم میرے لیے اپنی زوجہ کو چھوڑ دو تو عورت کا شوہر کہتا کہ میں نے تیرے لیے اپنی زوجہ کو چھوڑ دی۔اس طرح پہلا شخص دوسرے آدمی کی زوجہ کا خاوند ہو جاتا بغیر مہر کے۔ایسے ازدواجیت کے تعلق کو نکاح بدل کہا جاتا تھا۔

منجملہ نکاح کی صورتوں میں سے ایک نکاح شغار بھی تھا جس میں بغیر مہر کے لڑکی کے بدلے لڑکی کو نکاح میں دیا اور لیا جاتا تھا۔مثلاً ایک شخص یوں کہتا کہ اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح مجھ سے کراؤ اور میں بدلے میں اپنی بیٹی یا بہن کی شادی تم سے کراتا ہوں۔

جاہلیت کے زمانے میں نکاح ظعینہ بھی نکاح کی ایک صورت تھی۔اس کا طریقہ یہ ہوتا کہ جب کوئی شخص کسی عورت کو (جنگ یا کسی اور طرح سے) قیدی بنالیتا تو اسے اختیار تھا کہ اس سے شادی کرے، اور اس عورت کے لیے انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوتی۔کیوں کہ وہ اس کی قیدی ہوتی اور پہلے سے ہی اس کی ملکیت میں ہوتی۔یہ شادی بغیر مہر و خطبے کے ہوا کرتی تھی۔[۵]

عہدِ جاہلیت میں طلاق کے طریقے:

نکاح کی طرح عرب عہدِ جاہلیت میں طلاق کی بھی مختلف صورتیں تھیں لیکن جزیرہ عرب میں ابتدائی زمانے میں دینِ ابراہیمیؑ کے مطابق طلاق دی جاتی تھی اور شرفاءِ عرب میں تقریباً یہی طریقہ چلتا

رہا۔ لیکن بعد کے طویل جاہلیت کے زمانے میں طلاق کے معاملے میں بھی انتہائی افراط و تفریط پر مبنی رسومات کا اجراء ہوا جو بسا اوقات عورتوں کے بنیادی حقوق کے منافی ہو جاتی تھیں۔ عام طور پر قبل از اسلام عرب معاشرے میں لفظِ طلاق کے ذریعہ ازدواجی تعلق کو ختم کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے علاوہ کچھ اور طریقے بھی اختیار کیئے جاتے تھے، جیسا کہ جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن جبیرؒ (المتوفی ۹۵ھ) فرماتے ہیں کہ:

''کان الایلاء و الظھار من طلاق الجاھلیة۔''[۶] ''ایلاء اور ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق شمار ہوا کرتے تھے۔''

مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عرب عہدِ جاہلیت میں عام طور پر تین طریقوں سے طلاق دینے کا رواج تھا، جیسا کہ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب معرفة السنن و الآثار میں امام شافعیؒ (متوفی: ۲۰۴ھ) سے سنداً نقل کیا ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ:

''سمعت من ارضی من أھل بالقرآن یذکر أن أھل الجاھلیة کانوا یطلقون بثلاثة: الظھار، والایلاء، والطلاق۔''[۷]

''میں نے قرآن کے اہلِ علم لوگوں سے سنا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ تین طریقوں سے طلاق دیا کرتے تھے۔ (۱) ظہار (۲) ایلاء (۳) طلاق (لفظِ صریح یا کنایہ)۔''

مذکورہ بالا ترتیب سے عہدِ جاہلیت میں مروجہ طلاق کی صورتوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) ظہار:

ظہار لفظ کا مادہ (ظ،ہ،ر) ہے اور ''ظہر'' پشت (پیٹھ) اور کسی شے کے ظاہر حصے کو کہتے ہیں نیز یہ لفظ سواری کے لیے بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ علامہ جوہریؒ بیان فرماتے ہیں۔'' (۸) اور لغت کے معروف محقق، ابن فارسؒ کے مطابق:

''الظاء والھاء والراء، أصل صحیح واحد یدلّ علی قوة و بروز۔''[۹]

''ظ''، ''ھ'' اور ''ر'' کا مادہ اصل میں قوت اور آشکارہ ہونے کے معنی میں آتا ہے۔''

امام ازہریؒ ظہار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''وھو الظھار، واصله مأخوذ من الظھار، وذلك ان یقول: انت علی کظھر امی، وانما خصو الظھر دون البطن والفخذ والفرج، و ھذا اولی بالتحریم، لان الظھر موضع الرکوب، والمرأة مرکوبة اذا غشیت،فکانی اذا قال:انت

على كظهر امى، اراد ركوبك للنكاح حرام على كركوب امى للنكاح، فاقام الظهر مقام الركوب لانه مركوب، و اقام الركوب مقام النكاح لان الناكح راكب، وهذا من لظيف الاستعارة للكناية-"(۱۰)

"ظہار کی اصل ماخوذ ہے ظہر (پیٹھ) سے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ، تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ اس کے باوجود کہ پیٹ، ران اور عورت کا عضوِ مخصوص حرمت کے اعتبار سے زیادہ سخت ہیں، (ظہار کے لیے) ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ پیٹھ سواری کی جگہ ہے اور عورت حقوقِ زوجیت کی ادائیگی کے وقت مرکوبہ ہوتی ہے۔ گویا کہ شوہر اپنی منکوحہ سے کہتا ہے کہ تجھ پر نکاح کی وجہ سے سوار ہونا مجھ پر ایسا ہی ہے جیسا کہ مجھ پر میری ماں پر سوار ہونا، تو اس جملے میں پیٹھ کو سواری اور سواری کو نکاح کے قائم مقام ٹھہرایا گیا اس لیے کہ نکاح کرنے والا سوار (راکب) ہوتا ہے۔ یہ کنایہ کے لیے لطیف سا استعارہ ہے۔"

امام طبریؒ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ "جاہلیت کے زمانے میں اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو کہتا کہ (انت علی کظھر امی) (تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)۔ تو اس سے بیوی اپنے شوہر کے لیے حرام ہو جاتی اور نکاح ختم ہو جاتا۔"(۱۱) نیز امام نظام الدینؒ فرماتے ہیں:

"ان الظهار كان من أشد طلاق الجاهلية لأنه فى التحريم "(۱۲)

"جاہلیت کے زمانے میں سخت ترین طلاق کی صورت ظہار تھی اس لیے کہ اس سے نکاح کا بندھن بالکل حرام ہو جاتا تھا۔"

"كان الظهار طلاقا فى الجاهلية، الذى اذا تكلم به أحدهم لم يرجع فى امرأته ابدا-"(۱۳) "ظہار جاہلیت کے زمانے میں ایسا طلاق ہوا کرتا تھا کہ اس کا مرتکب اپنی زوجہ سے کبھی بھی رجوع نہیں کر سکتا تھا۔"

(۲) ایلاء:

لغت کے معروف محقق محمد بن مکرم افریقیؒ کے مطابق: "آلا يولى ايلا ،حلف"(۱۴) "ایلاء" لغت میں مطلقاً قسم کے لیے آتا ہے"۔

اور مرتضٰی زبیدیؒ کے مطابق، ایلاء ضرر اور غضب کی صورت میں قسم کھانے کا نام ہے نا کہ فائدے اور رضاء کے لیے (۱۵) جیسا کہ حضرت علیؓ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی زوجہ سے اتنی مدت تک جدا رہنے کی قسم کھائی تھی کہ جب تک وہ بچے کو دودھ پلائے۔ کیا یہ ایلاء ہے؟۔ تو حضرت علیؓ نے جواباً ارشاد فرمایا (لیس بایلاء، انما اراد الاصلاح بہ) ''یہ ایلاء نہیں، کیوں کہ اس نے صرف اصلاح کے ارادے سے (قسم کھائی) ہے۔[۱۶]

دکتور جواد علی رقم فرماتے ہیں کہ: ''كان من طلاق اهل الجاهلية سمّوه ''الايلاء''، وهو القسم على ترك المرأة مدة۔''[۱۷]

''جاہلیت میں کسی مدت کو متعین کر کے خاوند قسم کھاتا کہ وہ اپنی زوجہ سے اس مدت میں (ازدواجی) تعلقات ترک کیئے رہے گا۔''

ایلاء کی مدت کے بارے میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: ''كان ايلاء اهل الجاهلية السنة والسنتين واكثر من ذلك''[۱۸] ''جاہلیت کے زمانے کے لوگ ایک یا دو سال یا اس سے بھی زیادہ مدت کے لیے ایلاء کیا کرتے تھے۔''

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ: ''الايلاء كان طلاقا معجلاً''[۱۹] ایلاء طلاق معجّل ہوا کرتا تھا۔''

اور علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں کہ: ''الايلاء كان طلاقا معجلاً فی الجاهلية فجعله الشرع طلاق مؤجلاً۔''[۲۰]

''ایلاء جاہلیت کے زمانے میں طلاقِ معجّل (فی الفور طلاق) ہوا کرتی تھی اور اسلامی شریعت نے اسے طلاقِ مؤجل کر دیا۔''

(۳)　طلاق (بلفظِ صریح و کنایہ):

عام طور پر عرب میں ازدواجی تعلقات کے انقطاع کے لیے لفظِ طلاق صراحتاً بولا جاتا اور بسا اوقات الفاظِ کنایہ کے ذریعہ بھی طلاق دی جاتی تھی۔ عربی تاریخ کے محقق ''توفیق برو'' عرب جاہلیت کے زمانے میں طلاق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

> ''كان الطلاق من حق الرجل، يستعمله متى شاء لأي سبب أو حتى بدون سبب۔وكان العرف يقضى بان الرجل اذا طلق زوجته واحدة كان احق الناس بها۔ اما اذا استوفى الثلاث انقطع السبيل عنها، فالطلاق ثلاثا معناه الفرقة التامة بين الزوجين۔''[۲۱]

"طلاق کا حق صرف مردوں کو حاصل تھا۔ وہ جب چاہتے اور کسی بھی سبب سے یا بغیر سبب کے بھی طلاق دے سکتے تھے۔ اور ان کے ہاں کوئی مرد اپنی زوجہ کو ایک طلاق دیتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات کا مستحق ہوتا کہ وہ اپنی مطلقہ زوجہ کو اپنائے، یعنی رجوع کرے۔ اور اگر تین طلاق پورے دیتا تو نکاح کا راستہ منقطع ہو جاتا لہٰذا تین طلاقوں کے دینے سے زوجین کے مابین مکمل جدائی سمجھی جاتی تھی۔"

عرب عہدِ قدیم میں تین طلاقوں کا تذکرہ ملتا ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، س کے بارے میں علامہ آلوسیؒ رقم فرماتے ہیں کہ:

"كان العرب فى الجاهلية يطلقون ثلاثا على التفرقة، و أول من سن ذلك لهم إسماعيل بن إبراهيم عليهما السلام ثم فعلت العرب ذلک،"(۲۲)

"عرب عہدِ جاہلیت میں متفرق طور پر تین طلاق دیا کرتے تھے اور ان (تین طلاقوں کی حد بندی) حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مقرر فرمائی تھی اور پھر عربوں میں یہ ریت چل پڑی۔"

قدیم عربوں میں تین طلاق کے بعد رجوع کی ممانعت پائی جاتی تھی لیکن بعد میں لوگوں نے تین طلاق کے بعد رجوع کی صورت بنالی تھی جیسا کہ دکتور جواد علی رقم فرماتے ہیں کہ:

"ويظهر أن الجاهلين كانوا قد أوجدوا حلا--- فاباحوا للزوج أن يرجع زوجه إليه بعد الطلاق الثالث، ولكن بشرط ان تتزوج بعد وقوع الطلاق الثالث من رجل غريب، على أن يطلقها بعد اقترانها به، عندئذ يجوز للزوج الأول أن يعود اليها بزوج جديد-"(۲۳)

"یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جاہلیت کے زمانے کے لوگوں نے (تین) طلاقوں کے بعد حلال ہونے کی راہ پائی۔ اس طرح کہ تین طلاقوں کے بعد بھی اگر شوہر رجوع کرنا چاہتا تو اس کے لیے رجوع کرنا مباح تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ عورت کسی اجنبی شخص سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ شخص اس عورت کو طلاق دے گا۔ اس امر کے مکمل ہونے کے بعد پہلا شوہر اس مطلقہ سے نکاح جدید کے ساتھ لوٹ سکتا تھا۔"

عرب عہدِ جاہلیت میں طلاق کی تعداد کا معاملہ بعد کے ادوار میں نہایت ہی غیر اہم ہوا یہاں تک کہ لوگ طلاق در طلاق دیتے جاتے اور پھر رجوع پر رجوع کرتے اور یہ سلسلہ چلتا رہتا دوسری طرف عورت معلقہ رہتی۔ عرب جاہلیت کے زمانے کی یہ ریت اسلام کے ابتدائی زمانے تک چلتی رہی جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں رقم فرماتے ہیں کہ:

"الناس کان علیه الامر فی ابتداء الاسلام من ان الرجل کان احق یرجعة امرأته و ان طلقها مأءة مرة ما دامت فی العدة۔" (۲۴)

"ابتداء اسلام میں مرد کو حق تھا کہ اپنی زوجہ کو طلاق دینے کے بعد، عدت کے دوران، رجوع کر سکتا تھا، اگرچہ سو مرتبہ طلاق ہی کیوں نہ دی ہو۔"

اس کی تائید حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ:

"الرجل یطلق امرأته ماشاء الله ان یطلقها وهی امرأته اذا ارتجعها وهی فی العدة و ان طلقها مائة مرة و اکثرحتی قال رجل لامرأته: والله لا اطلقک فتبینی ولا آویک ابدا قالت: وکیف ذلك؟ قال :اطلقک فکلما همت عدتک ان تنقضی راجعتک فذهبت المرأة حتی دخلت علی عائشة فاخبرتها فسکتت عاشة حتی جاء النبی ﷺ فاخبرته فسکت النبی ﷺ حتی نزل القرآن الطلاق مرتان۔"(۲۵)

"مرد اپنی زوجہ کو جتنی چاہتا طلاق دیتا اور عورت اس کی منکوحہ ہی رہتی جبکہ وہ شخص عدت کے دوران اس سے رجوع کرتا اگرچہ طلاق اور رجوع سو مرتبہ یا اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ اللہ کی قسم میں تجھے نہ مکمل طلاق دے کر چھوڑوں گا اور نہ ہی رکھوں گا۔ عورت نے پوچھا وہ کیسے؟ خاوند نے کہا کہ میں طلاق دیتا رہوں گا اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجوع کرتا رہوں گا۔ عورت یہ معاملہ حضرت عائشہؓ کے پاس لائی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی طلاق دو مرتبہ ہے۔"

الفاظِ صریح کے ساتھ ساتھ اہلِ عرب نے ایسے الفاظ متعین کر لیے تھے کہ جن سے طلاق کا واقع ہونا سمجھا جاتا تھا۔یعنی طلاق دینے کے لیے لفظِ طلاق کے بجائے کنایہ الفاظ یا جملے بھی استعمال کیئے جاتے تھے۔ جیساکہ امام الازہریؒ اپنی کتاب "تھذیب اللغۃ" میں لکھتے ہیں کہ:

"كانت العرب اذا طلق أحدهم امرأته فی الجاهلية، قال لها:"حبلك على غاربك" ای خليت سبيلک فاذهبی حيث شئت۔"[26]

"عرب جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق دیتا تو یوں کہتا۔"حبلک علی غاربک" (تیری رسی تیرے کندھے پر ہے)اس سے مراد یہ ہوتا کہ میں نے تیرا راستہ چھوڑ دیا پس تو چلی جا جہاں چاہے۔"

اس کی مثال عربوں میں بعد از اسلام بھی ملتی ہے، جیسا کہ عطابن ابی رباحؒ روایت فرماتے ہیں کہ:

"ان رجلا قال لامرأته: حبلك على غاربك، قال ذلك مرارا، فاتی عمر بن الخطاب فاستحلفه بين الركن و المقام:"ما الذی اردت بقولک؟" قال:اردت الطلاق، ففرق بينهما"[27]

"ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا"حبلک علی غاربک"اور اس طرح بار بار کہا، لہٰذا وہ شخص حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا توآپؓ نے حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان کھڑے ہو کر اس سے قسم لی کہ بتاؤ تم نے اپنے قول "حبلک علی غاربک" سے کیا مراد لی ہے؟۔تو اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا۔تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں میں جدائی فرمادی۔"

اسی طرح لغت کے معروف محقق، محمد بن مکرم الافریقیؒ لسان العرب میں الفاظ کنایہ کی ایک مثال یہ دی ہے کہ کوئی شخص عہدِ جاہلیت میں اپنی عورت سے یوں کہتا:

"انت مخلی كهذا البعير لا يمنع من شیء۔"[28]"تو اس اونٹ کی طرح آزاد ہے تجھے کسی چیز سے منع نہیں کیا جائے گا۔"

تو عہدِ جاہلیت کے لوگ اس طرح کہہ کر طلاق دیا کرتے تھے۔ اسی طرح امام ازدیؒ طلاقِ کنایہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں طلاق کے لیے یوں بھی کہا جاتا کہ:

"اذهبي فلا انده سربك"، یعنی چلی جا میں تمہارے اونٹ کو نہیں چاہتا۔اس سے مراد یہ ہوتا کہ تجھے طلاق ہے۔"(۲۹)

اور ڈاکٹر جواد علی کے مطابق یوں بھی کہا جاتا:

" اخترت الظباء على البقر"جس کا مفہوم ہے، "میں نے ہرن کو اختیار کر لیا گائیں پر" اور ایسے بھی کہتے "فارقتك"میں نے تجھ سے فرقت اختیار کر لی اور ایسے بھی کہتے "سرحتك"میں نے تجھ کو چھوڑ دیا وغیرہ۔ بھی طلاقِ کنایہ کے لیے مستعمل تھیں۔(۳۰)

خلع:

طلاق کی مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ عربوں میں قبل از اسلام طلاق کے حصول کے لیے خلع کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور علامہ آلوسی بغدادیؒ اپنی مشہور کتاب "بلوغ الارب"میں عامر بن ظرب کا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی بیٹی کے شکایت کرنے پر اس کے مہر کے بدلے طلاق لی اور پھر رقم فرماتے ہیں کہ:

"فزعم العلماء ان هذا كان اول خلع فى العرب۔"(۳۱)"علماء گمان کرتے ہیں کہ یہ عرب میں پہلا خلع تھا۔"

طلاق دینے کا حق اصلاً تو مردوں کو ہی حاصل تھا لیکن زوجہ نکاح کے بندھن سے خلاصی کے لیے اپنے خاوند کو پیشکش کر سکتی تھی کہ مہر کی واپسی یا مال کے بدلے خاوند اس کو طلاق دیدے، اس طرح مطالبے کے ذریعہ طلاق کے حصول کو "خلع" کہا جاتا تھا۔خلع کے لفظی معنٰی کے بارے میں امام زبیدیؒ لکھتے ہیں کہ:

"النزع الا ان فى الخلع مهلة قاله اللعث، وسوى بعضهم بين الخلع و النزع۔"(۳۲)

"اس کے معنی "نزع" (نکالنے) کے ہیں مگر لیثؒ فرماتے ہیں کہ خلع میں نزع کے معنٰی مہلت (تاخیر) کے ساتھ نکالنے کے ہیں اور بعض علماء خلع اور نزع کو مترادف کہتے ہیں۔"

عرب عہدِ قدیم میں خلع کے بارے میں دکتور جواد علی لکھتے ہیں کہ:

"اما الزوجة، فليس لها حق الطلاق، ولكنها تستطيع خلع نفسها من زوجها بالاتفاق معه على ترضية تقدمها اليه، كان يتفاوض اهلها او ولى أمرها او من توسطه التفاوض مع الزوج فى تطلييقها منه فى مقابل مال او جعل يقدم

الیه۔ فاذا وافق علیه وطلقها، یقال عندئذ لهذا النوع من الطلاق: "الخلع۔"[۳۳]

"عہد جاہلیت میں عورت کو طلاق کا حق نہ تھا، لیکن عورت اپنے خاوند کو اپنے گھر والوں یا ولی یا کسی اور ذریعہ سے پیشکش کرتی کہ وہ اس عورت کو طلاق دے اور عورت طلاق کے بدلے میں مال یا کوئی اور چیز دے گی، پس اگر خاوند مان جاتا تو طلاق دیتا، اس قسم کی طلاق کو "خلع" کہا جاتا تھا۔"

عہدِ جاہلیت میں طلاق کی وجوہات:

عرب عہدِ جاہلیت میں بڑے خاندانوں میں عورتوں کو حقیر اور دامادی رشتوں کو اپنے لیے عار سمجھا جاتا تھا، قرآن کریم میں زمانہ جاہلیت کے اس تصور کو یوں ذکر کیا گیا ہے کہ:

"أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ۔ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۔"[۳۴]

ترجمہ: "کیا اس نے اپنی مخلوق میں سے خود تو بیٹیاں لیں اور تم کو چن کر بیٹے دیئے۔ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جو انہوں نے خدا کے لیے بیان کی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔"

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَإِذَا الْمَوْؤُودَةُ سُئِلَتْ۔ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ"[۳۵] "اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنا دی گئی ہو پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس جرم پر ماری دی گئی۔"

اس کا اثر عام لوگوں پر بھی پڑا اور عوام الناس بھی عام طور پر ایسے اقدامات پر فخر محسوس کرتے جس سے عورت کم تر ظاہر ہوتی۔ ہر معاشرے میں ماسوائے چند مخصوص حالات کے، طلاق کے اسباب تقریباً یکساں ہوتے ہیں، مثلاً زوجین میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہونا اور مزاج کا ناموافق ہونا وغیرہ۔ لیکن عرب جاہلیت کے زمانے میں لوگ عورتوں کو اذیت دینے کے لیے بھی طلاق دیا کرتے تھے اور اس کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ طلاق کے بعد قبل از عدت رجوع کرکے پھر طلاق دیتے اور یہ سلسہ جاری رہتا، تاکہ عورت کم تر ظاہر ہو اور عورت پر مرد اپنی حاکمیت مسلط رکھے۔"[۳۶]

عرب جاہلیت کے زمانے میں طلاق کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ بلاوجہ طلاق دینے کو گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا عورت کا بانجھ ہونا یا فقط بیٹیاں جننا، عصبیت، خاندانی دشمنی وغیرہ جیسے معاملوں

میں بے دریغ طلاق دیئے جاتے تھے۔(۳۷) عرب جاہلیت میں خاندانی اختلافات اور تبدیلی مذہب بھی طلاق کی عمومی وجوہات میں شامل ایک وجہ تھی۔ جیسا کہ "رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیوں کو ابولہب کے کہنے پر اس کے دو بیٹیوں نے طلاق دی۔"(۳۸) چونکہ عرب عہدِ جاہلیت میں "انسانی حقوق اور خاص کر عورتوں کے حقوق کا کوئی خاص تصور نہیں ہوا کرتا تھا لہٰذا طلاق کے لیے کسی سبب کا ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا اور بے وجہ بھی طلاق دینے کو معاشرتی طور پر عیب نہ جانا جاتا۔"(۳۹)

طلاق کے اثرات:

کسی بھی معاشرے میں عائلی نظام کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے، گھریلو اعتبار سے انسان کی خوشحالی اس کے ظاہری شخصیت پر اثرانداز ہوتی ہے۔انسانی جملہ صلاحیتیں اس کے بہتر خانگی زندگی پر موقوف ہوتی ہیں۔اسی لیے متمدن معاشروں میں اعلیٰ سطح پر عائلی قوانین مرتب کیئے جاتے ہیں۔اسی طرح عہدِ جاہلیت میں بھی عربی معاشرے میں مروجہ عائلی نظامیں مطلقہ عورت کے لیے کچھ امور وضع کیئے گئے تھے جن کی رو سے مطلقہ کے لیے عدت مقرر نہیں کی گئی تھی جیسا کہ امام ابوداؤدؒ نے اپنی سنن میں اسماء بنت یزیدؓ کی روایت نقل فرمائی ہے جس میں مذکور ہے کہ:
"لم یکن للمطلقۃ عدۃ"(۴۰)"مطلقہ عورت کے لیے کوئی عدت نہیں ہوا کرتی تھی۔"
اور اس ضمن میں دکتور جواد علی کی تحقیق کے مطابق "بعد از طلاق، مطلقہ سے فوراً نکاح کر لیا جاتا اگرچہ وہ پہلے شوہر سے حاملہ ہی کیوں نہ ہوتی، حمل ہونے کی صورت میں بچہ زوج ثانی کا شمار ہوتا اور شوہر کے موت کی صورت میں عورت پر ایک مکمل سال کی عدت ہوتی۔ مطلقہ عورت کے لیے کوئی نان نفقہ اور رہائش طلب کرنے کا حق، طلاق دینے والے پر نہ تھا۔"(۴۱)

خلاصہ کلام:

عرب عہد جاہلیت میں مطلقہ عورت کے پاس معاشی اور معاشرتی تحفظ کے لیے چند صورتیں تھیں اول یہ کہ خاوند رجوع کرلے اور سابقہ نکاح برقرار رہے، دوم یہ کہ اگر رجوع نہیں کرتا تو مطلقہ عورت کے گھر والے کسی اور شخص سے اس کا نکاح کرادیتے اور وہ عورت اپنی زندگی بسر کرتی اور اگر اس کے برادری والے شادی نہ کراتے تو تمام عمر بغیر نکاح کے اپنے بھائیوں یا ان کی اولاد کی خادمہ بن کر زندگی گزارنا پڑھتی تھی۔

جاہلیت کے عہدِ میں لڑکوں کو ایک قیمتی سرمایہ اور جنگی قوت کی علامت سمجھا جاتا تھا لہٰذا طلاق کے بعد عورت کی فرقت سے اولاد، والدہ کی مشفقانہ تربیت سے محروم ہو کر سخت دل ہو جاتے جس کا اثر

جاہلیت کے زمانے میں معمولی باتوں پر کئی سالوں تک جنگوں، ظلم و زیادتی اور باہمی حق تلفی جیسے معاشرتی بگاڑ کی صورت میں ظاہر ہوا۔اسی لیے اسلام نے ایسے جملہ معاملوں کی حوصلہ شکنی کی جس سے عورت کو ضرر پہنچتا ہو۔اور پُر زور طریقے پر بغیر شدید ضرورت کے طلاق دینے کو سخت ترین گناہ بتلایا۔ دورِ حاضر میں بھی طلاق کے سلسلے میں آگہی کا فقدان ہے نیز اسلامی تعلیمات کی رُو سے طلاق سے روکنے کے لیے تفصیلی تعلیمات دی گئی ہیں۔ طلاق کے تباہ کن اثرات براہ راست دو خاندانوں اور متاثرہ بچوں کے ذہنیت پر مرتب ہوتے ہیں اور پھر ان کے واسطے سے پورے معاشرے پر ظاہر ہوتے ہیں ۔اگر جملہ معاشرتی پہلوؤں پر غور کرکے طلاق کے معاملے کو دیکھا جائے تو شدت سے احساس ہوتا ہے کہ صرف منبر و محراب اس امر کی اصلاح کے لیے کافی نہیں بلکہ حکومت ریاستی سطح پر ذرائع ابلاغ کے جملہ وسائط سے ایک بھرپور مہم کے ذریعے لوگوں میں شعود بیدار کرے کہ فقط جزبات اور ذاتی مفادات کی وجہ سے طلاق نہ دی جائے بلکہ اپنے آنے والی نسلوں اور دو خاندانوں نیز اپنے معاشرے کے مستقبل کو دیکھتے ہوئے تحمل اور بردباری نیز حکمت و بصیرت سے ازدواجی تعلق کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے۔

حوالہ جات:

(۱) البخاری، محمد بن اسماعیل، "الجامع الصحیح المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننہ وایامہ"، دار طوق النجاۃ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ۷\۵۱
(۲) توفیق برو، "تاریخ العرب القدیم"، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ۲۶۵
(۳) قرآن کریم، ۹۱: ۴، مترجم فتح محمد جالندھری، تاج کمپنی لمٹڈ، لاہور، ص۔۵۰
(۴) الطبری، محمد بن جریر، (متوفی: ۳۱۰ھ) "جامع البیان فی تأویل القرآن"، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، ۱۰۸\۸
(۵) جواد علی، الدکتور، (متوفی: ۱۴۰۸ھ) "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" دارالساقی، بیروت، ۲۰۰۱م، ۲۰۸\۱۰ تا ۲۱۸
(۶) ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل (موفی: ۷۷۴ھ)، "تفسیر القرآن العظیم" المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۲۰۰۷م، ۲۸۹\۴
(۷) بیہقی، احمد بن حسن، (متوفی: ۴۵۸ھ) "معرفۃ السنن والآثار"، دار الوفاء، قاھرہ، ۱۴۱۲ھ، ۱۱۳\۱۱
(۸) جوہری، اسماعیل بن حماد (متوفی: ۳۹۳ھ) "الصحاح تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ"، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۴۰۷ھ، ۳۰\۲۷
(۹) ابن فارس، ابوالحسین احمد (متوفی: ۳۹۵ھ)، "معجم مقاییس اللغۃ" دار الفکر، بیروت، ۱۳۹۹ھ، ۴۷\۳

(۱۰) الازھری، محمد بن احمد (متوفٰی: ۳۷۰ھ) "تھذیب اللغۃ"، بیروت، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱م، ۱۳۵\۶۔۱۳۶
(۱۱) طبری، محمد بن جریر (متوفٰی: ۳۱۰ھ) "جامع البیان فی تأویل القرآن"، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، ۲۲۱\۲۳
(۱۲) نیسابوری، حسن بن محمد (متوفٰی: ۸۵۰)، "غرائب القرآن وغائب الفرقان"، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۱۶ھ، ۱۳۴\۷
(۱۳) طبری، محمد بن جریر، "جامع البیان فی تأویل القرآن"، ۲۲۸\۲۳
(۱۴) افریقی، محمد بن مکرم (۷۱۱ھ)، "لسان العرب"، دار صادر، بیروت، ۴۰\۱۴
(۱۵) مرتضی زبیدی، محمد بن محمد (متوفٰی: ۱۲۰۵ھ) "تاج العروس من جواہر القاموس"، دار الھدیۃ، ۹۱\۳۷
(۱۶) عبد الرزاق بن ھمام (۲۱۱ھ)، "المصنف"، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۴۰۳ھ، ۴۵۲\۶
(۱۷) جواد علی، "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام"، ۲۲۳\۱۰
(۱۸) سعید بن منصور، (متوفی: ۲۲۷ھ) "سنن سعید بن منصور" الدار السلفیۃ، الھند، ۱۴۰۳ھ، ۲۷\۲
(۱۹) سرخسی، شمس الائمۃ، محمد بن احمد (متوفی: ۴۸۳ھ) "المبسوط"، دار المعرفۃ، بیروت، ۲۰\۷
(۲۰) کاسانی، علاء الدین، ابوبکر بن مسعود، (متوفی: ۵۸۷ھ) "بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع"، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۶ھ، ۱۷۶\۳
(۲۱) توفیق، برو، "تاریخ العرب القدیم"، دار الفکر، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ص۔۲۶۶
(۲۲) آلوسی، السید محمود شکری، "بلوغ الارب فی معرفۃ الاحوال العرب"، دار الکتاب المصری، ۴۹\۲
(۲۳) جواد علی، "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام"، ۲۲۱\۱۰۔۲۲۲
(۲۴) ابن کثیر، "تفسیر القرآن العظیم"، ۲۳۸\۱
(۲۵) جلال الدین سیوطی، عبد الرحمٰن بن الکمال، "الدر المنثور"، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۳م، ۶۶۳\۱
(۲۶) الازہری، "تھذیب اللغۃ"، ۱۱۹\۸
(۲۷) سعید بن منصور، "سنن سعید بن منصور"، ۳۱۹\۱
(۲۸) افریقی، محمد بن مکرم، "لسان العرب"، ۶۴۲\۱
(۲۹) ازدی، محمد بن الحسن (متوفی: ۳۲۱ھ) "جمھرۃ اللغۃ"، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۷م، ۶۸۷\۲
(۳۰) جواد علی، "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام"، ۲۲۰\۱۰
(۳۱) آلوسی، السید محمود شکری، "بلوغ الارب فی معرفۃ الاحوال العرب"، ۵۰\۲
(۳۲) زبیدی، "تاج العروس من جواھر القاموس"، ۵۱۸\۲۰
(۳۳) جواد علی، "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام"، ۲۲۴\۱۰

(۳۴) قرآن کریم، ۱۷: ۳۳۔۳۴، ص۔۲۹۶
(۳۵) قرآن کریم، ۸۱:۸، ص۔۳۵۵
(۳۶) آلوسی، السید محمود شکری، ''بلوغ الارب فی معرفۃ الاحوال العرب''، ۵۵\۲
(۳۷) جواد علی، ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام''، ۲۲۶\۱۰
(۳۸) طبری، محمد بن جریر، ''تاریخ الامم والملوک''، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۷ھ، ۴۲\۲
(۳۹) توفیق برو، ''تاریخ العرب القدیم''، ۲۶۵
(۴۰) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، ''سنن ابی داؤد''، دار الفکر، بیروت، ۶۹۴\۱
(۴۱) جواد علی، ''المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام''، ۲۳۰\۱۰۔